ڈاکٹر وقار احمد

اسسٹنٹ پروفیسر (وزٹنگ)شعبہ اردو

یونی ورسٹی آف میانوالی

روبینہ شاہین

پی ایچ ڈی سکالر (شعبہ اردو)

گورنمنٹ کالج ویمن یونی ورسٹی سیالکوٹ

ارشاد بی بی

لیکچرار (وزٹنگ)شعبہ اردو

یونی ورسٹی آف میانوالی

کارل مارکس کی نظریاتی تھیوری

(مارکسی تصورات اور اردو ادب کی سماجی تشکیل)

Ideological Theory of KarlMarx

(Marxist Concept and the Social Formation of Urdu Literature)

Marxism is not just a theory, but also a social and economic system. Its basic element is not just science, but also some important values. If we examine it, it is not just a collection of scientific laws, such as Einstein's theory of relativity or the laws of physics, but it is also a bearer of extremely important values of human life. It is not an unchanging or rigid system; rather, its concepts undergo constant transformation throughout their existence. One of the fundamental principles of Marxism is how we perceive things and each other. Marx also stated that nothing is permanent or eternal, and nothing is absolute or sacred. We cannot call Marxism a roadmap for the future, nor can we reorganize our present society based solely on it. It is neither a form of government nor does it believe in a state that governs every aspect of our lives. Karl Marx's

ideological theory reveals the conflict between the skilled and the bourgeois classes. According to Karl Marx, the real cause of all the deprivations of the working class is the capitalist system, which is ruthless because the capitalist has complete control over ownership and the means of production. Therefore, the status of the worker is that of a part, and as long as he is capable of work, he is used, and when his organs become weak, he is excluded from this production system. By taking advantage of this division, capitalism also influences economic, social, moral, and diplomatic systems.

Keywords: Marxism, Karl Marx, basic element, science, values, transformation, conflict, skilled class, bourgeois classes, capitalism

کارل مارکس کی نظریاتی تھیوری دراصل ہنر مندوں اور بورژوا طبقے کے درمیان موجود کش مکش کو عیاں کرتی ہے۔اس کش مکش میں ہنر مندوں اور مزدوروں کے مفادات اور ان کی محرومیوں پر سرمایہ داروں یا بورژوا طبقے کی طرف سے ہونے والے مظالم خاص طور پر مرکز نگاہ ہوتے ہیں۔اس تضادی اور مفاداتی کش مکش میں شوشل ازم اور اشتراکیت کو سرمایہ درانہ نظام پر فوقیت حاصل ہے۔کارل مارکس کے نزدیک محنت کش طبقے کی ساری محرومیوں کی اصل وجہ سرمایہ درانہ نظام ہے اور یہ انتہائی بے رحم اور سفاکیت کا حامل ہے کیونکہ ملکیت اور پیدواری ذرائع پر مکمل کنڑول سرمایہ دار کا ہے لہٰذا محنت کش کی حیثیت ایک پرزے کی ہے اور جب تک وہ کام کے قابل ہے اسے استعمال میں لایا جاتا ہے اور جب اس کے اعضاء جواب دینے لگتے ہیں اس پیداواری نظام سے خارج کر دیا جاتا ہے۔وہ اس معاشرے میں موجود تو ہوتا ہے مگر بے یار و مدد گار زندگی گزارے پر مجبور ہو جاتا ہے۔اس تقسیم کاری سے فائدہ اٹھا کر سرمایہ دار معاشی، معاشرتی، اخلاقی اور سفارتی نظاموں پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔

سرمایہ دار کی جڑیں اس قدر مضبوط ہیں کہ وہ عالمی سطح پر بھی پورے نظام کو متاثر کر سکتا ہے۔عدلیہ اور قانون سازی میں بھی اس کے تحفظات کو سامنے رکھا جاتا ہے۔جب کہ صحیح معنوں میں پالیسی سازی کا سارا کام یہی انجام دیتا ہے اور اس عمل میں وہ اپنے مفادات کو سامنے رکھتا ہے۔لہٰذا مارکسزم کی اس دلیل کو سامنے رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سرمایہ درانہ نظام بڑا بے رحم اور غیر منصفانہ ہے۔انقلاب روس کو دیکھا جائے تو اس کے

پیچھے مارکسزم کی تحریک تھی۔ مارکسزم ایک نظریہ ہی نہیں بلکہ ایک سماجی اور معاشی نظام بھی ہے۔ اس کا بنیادی عنصر محض سائنس نہیں چند اہم قدریں بھی ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو یہ آئن سٹائن کے نظریہ اضافیت کی طرح یا طبیعات کے حرکیات کے قوانین کی طرح محض سائنسی قوانین کا مجموعہ نہیں بلکہ یہ انسانی زندگی کی بے حد اہم قدروں کا علم بردار بھی ہے۔ سماجی علوم کا طالب علم یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ قدریں ماورائی اور مابعد الطبیعاتی ہوتی ہیں۔ مارکسزم معاشیات یا سیاسی معاشیات میں مؤخر الذکر کا لفظ استعمال کرنا زیادہ پسند کرتا ہے۔

دیکھا جائے تو آج کی معاشیات کا زیادہ تر انحصار سیاست پر ہے۔ مارکسزم سیاسی تجزیہ بھی ہے اور اہم معاشرتی قدروں جیسے کہ مساوات، سماجی انصاف، بین الاقوامی اخوت، جنسی مساوات، تخلیقی آزادی اور پیداواری قوتوں کا سماجی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کی بنیاد پر صحت مند معاشرے کی تعمیر کرنے پر زور دینے والا نظام بھی ہے۔ مارکسزم ایک ایسی تحریک تھی جس نے دنیا کے ایک بہت بڑے حصے کو متاثر کیا۔ یہ نظام دراصل دنیا میں موجود انسانی آبادی کی کثیر تعداد سے وابستہ تھا۔ مارکسزم ان استحصالی قوتوں کے خلاف تھا جنھوں نے غریب اور پس ماندہ افراد کے حقوق سلب کیے تھے۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی کشاف تنقیدی اصطلاحات میں مارکسزم کے بارے میں لکھتے ہیں:

> مارکسزم سے مراد کارل مارکس اور فریڈرک اینگلز کے وہ عمرانی نظریات ہیں جو اشتراکی عقائد و افکار کے لیے فکری اساس کا کام دیتے ہیں۔ مارکس اور اینگلز کا دور بے لگام سرمایہ داری کا وہ دور تھا جب محنت کش طبقہ بری طرح استحصال اور افلاس کا شکار تھا۔ چناں چہ مارکس اور اینگلز کو سماجی انصاف اور انسان دوستی کے مسلک سے جو دلچسپی تھی وہی ان کے نظریات و افکار کا باعث بنی۔ مارکس نے ایک نیا عمرانی نظریہ پیش کیا، اس نے بتایا کہ ہر سماجی نظام اقتصادی عوامل کا نتیجہ ہوتا ہے اور اس میں واقع ہونے والے تغیرات طریق پیداوار اور پیداواری رشتوں میں واقع ہونے والی تبدیلیوں کے باعث رونما ہوتے ہیں۔ مارکس کے خیال میں سماجی تبدیلیوں کے پیچھے کارفرما قوت محرکہ وہ جدوجہد ہے جو زبوں حال طبقے، بہتر سماجی اور معاشی مستقبل کے حصول کے لیے کرتے ہیں۔۔۔۔ اس نے اقتصادی عوامل کی روشنی میں دیکھا اور معلوم کیا کہ سماجی ارتقا طبقاتی کشمکش کا نتیجہ ہے۔[1]

مارکس اور اینگلز سے پہلے فلسفہ اعلیٰ طبقہ اور اشرافیہ کا فیشن تھا اور وہ اس فیشن کو تمدنی زندگی کا حصہ سمجھتے تھے۔ ان سے پہلے فلسفے میں مابعد الطبیعاتی مفروضات مادیت کے مقابلے میں روحانیت کی جڑیں مضبوط کرنے کے درپے تھے جب کہ مارکس اور اینگلز کا فلسفہ کائنات کی تفہیم کے بجائے اس کو بدلنے پر زور دیتا ہے۔ مارکس کہتا ہے کہ فلسفے کو پرولتاری طبقے کی اس آئیڈیالوجی سے منسلک ہونا چاہیے جو استحصالی طبقہ کے مفادات کے بر خلاف جدوجہد پر آمادہ ہے۔ مارکس فلسفہ کو سماوی انتہاؤں اور اعلیٰ طبقہ کی عیاشیوں سے نکال کر ارضی حقائق سے روشناس کراتا ہے۔ فلسفہ پہلی بار ایک عام انسان کی خودی کو برانگیخت کرنے کا وسیلہ بھی بنتا ہے۔ دیکھا جائے تو مارکس اور اینگلز سے پہلے فرانس میں تقریباً ایک صدی قبل آدم اسمتھ اور ڈیوڈ ریکارڈ نے اقتصادیات کو بنیادی اہمیت تفویض کی تھی۔ ان کے ہاں سماجی مؤثرات، طبقاتی کش مکش اور طبقہ بندیوں کے رجحانات کو بھی اقتصادی نقطہ نظر سے سمجھانے کی کوشش ملتی ہے۔ ان کے علاوہ بلنسکی اور ہرجن وغیرہ روسی نقادوں کے ہاں بھی طبقاتی کش مکش اور استحصال کی روشنی میں ادب کو سمجھایا گیا ہے۔ تاہم مارکس اور اینگلز سے پہلے فلسفے کے دانشوروں کے ہاں غیب کا غلبہ تھا جس کی بدولت سائنس کی بصیرت کا فقدان ملتا ہے۔ سبط حسن موسیٰ سے مارکس تک میں لکھتے ہیں:

> وجہ یہ تھی کہ وہ ذاتی ملکیت کی تنسیخ اور طبقاتی جدوجہد کی تنظیم میں جو بنیادی رشتہ ہے اس کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ وہ سرمایہ داری نظام کے معاشی تضادات کا حل معیشت کے قوانین کے بجائے عقل اور اخلاقیات کے اصولوں میں تلاش کرتے تھے۔ ان کے سوشلزم کی محرک زندگی کی حقیقتیں نہ تھیں بلکہ ان کی نیک خواہشیں تھیں۔ سوشلزم ان کے نزدیک علی بابا کا کھل جا سم سم تھا۔ کارل مارکس اور فریڈرک اینگلز نے اس کو انقلابی سائنس میں تبدیل کر دیا۔[2]

مارکسزم کے بنیادی عناصر کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مادی دنیا نہ صرف یہ کہ روبہ ترقی ہے بلکہ ایک کلی وحدت ہے۔ اس کے تمام مفروضات اور مظہرات نہ تو از خود ترقی کرتے ہیں نہ علاحدہ طور پر بلکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے مفروضات اور مظہرات پر اثر انداز ہوتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اثر باہمی عمل پر ہوتا ہے۔ گویا مارکس اور اینگلز سوسائٹی کی مادی زندگی کو فوقیت دے کر عینیت (تصوریت) کو سماجی سائنس سے

خارج کر دیتے ہیں۔ انسانوں کے پیداواری عمل اور اقتصادی تعلقات کے بغیر سماجی ارتقا کو نہ ہی سمجھا جا سکتا ہے اور نہ ہی تاریخی مادیت اور طبقاتی کش مکش کے پس پشت کار فرما محرکات و عوامل سے واقفیت ہو سکتی ہے۔

انسان تن تنہا فطرت کی مخالف قوتوں کو زیر کر کے مادی اشیا پیدا نہیں کر سکتا اس لیے وہ باہمی تعلقات بھی ناگزیر ہیں جنھیں سماجی پیداوار کے ضمن میں بروئے کار لایا جاتا ہے۔ پیداوار کے سلسلے میں انسانوں کے مابین جو تعلقات قائم ہیں اسی کو پیداواری رشتوں کا نام دیا جاتا ہے۔ کارل مارکس اور اینگلز نے مادی عوامل کو خاص طور پر اپنے موضوع کا حصہ بنایا ہے۔ مادہ ارتقائی صورت میں ہر وقت گردش میں رہتا ہے اور تبدیلی کے عمل سے گزرتا رہتا ہے۔ ابتدا میں مادہ کے اندر تبدیلی انتہائی سست رفتار اور مخالف سمت کی حامل ہوتی ہے۔ بعد ازاں ارتقائی عمل کے مسلسل جاری رہنے کی بنا پر ہی تبدیلی اتنی طاقت ور ہو جاتی ہے کہ ایک دم جست لگا کر ماہیت کی صورت میں بدل جاتی ہے۔ فلسفہ ارتقا میں Leap (جست) کی اہمیت اس لیے ہے کہ مقداری تبدیلی کے سست رفتار عمل کو Evolution (ارتقائی حرکت) سے منسوب کیا جاتا ہے۔

جست کے تیز رو عمل کو Revolution (انقلابی حرکت) کا نام دیا گیا ہے۔ مارکس یہ بھی بتاتا ہے کہ پیدواری طریقے کس طرح مادی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں اور انسان کا شعور کس طرح سماجی دباؤ کے تحت بدلتا رہتا ہے۔ ہر سماجی تبدیلی کے اسباب اس کے گرد و پیش کے حالات میں پوشیدہ ہوتے ہیں۔ سماجی و اقتصادی ارتقا اور شعور کی تشکیل میں ہر دور کے پیداواری رشتوں اور معاشی نظاموں کا اہم رول ہوتا ہے۔ مارکسزم میں ان تصورات کی بدولت دنیا میں موجود مادی وسائل پر پہلی دفعہ کھل کر بحث کی گئی۔ Terrell Carver اپنی کتاب *The Cambridge companion to MARX* میں تبدیلی کے اسباب کو اس طرح پیش کرتا ہے:

> Eventually, however, the existing form of societal organization. This process of transition from one form of society to the next is inevitably one of conflict, which may be a slow, drawn-out process or a sudden and possibly violent revolution. However it happens, society from its material base upward is transformed. (3)

مارکس اور اینگلز کے نزدیک فن اور ادب بھی سماجی پیداوار ہیں۔ ادیب سوسائٹی میں موجود اثرات سے

متاثر ہوتا ہے اور وہ معاشرے سے ادبی جمالیات بھی حاصل کرتا ہے اور یہ سب اسے خارجی عوامل سے حاصل ہوتے ہیں۔ کسی بھی ادیب کی تخلیقات اپنے عہد کی طبقاتی کش مکش اور مادی حقیقتوں کی ترجمانی بھی کرتی ہیں۔ مارکس نے سماجی اور تاریخی فن و ادب کے پس منظر میں ادب کے مطالعے پر اصرار کیا ہے۔ وہ ماضی پرستی اور کٹر روایت پرستی کا شدت سے مخالف بھی ہے۔ اس کے نزدیک وہ ادب ترقی پسند اور اعلیٰ ہے جو حقیقت و صداقت کا امین اور پاس دار ہے۔ ان کے نزدیک بالزاک سب سے بڑا حقیقت نگار تھا، جس نے اپنے عہد کی فرانسیسی زندگی اور اس میں موجود مصائب کا کھل کر اظہار کیا اور پس ماندہ طبقے کو اپنے فن میں جگہ دی۔ بالزاک سیاسی اعتبار سے روایت پرست اور بادشاہت کا حامی تھا مگر اس نے اعلیٰ سوسائٹی کے زوال کا نوحہ بھی اپنے فن میں شامل کیا۔ اس کی تمام تر ہمدردیاں اس طبقے کے ساتھ تھیں جو انتہائی پس ماندگی کا شکار تھا۔ پروفیسر عتیق اللہ تنقید کی جمالیات میں بالزاک کے فن کے بارے میں لکھتے ہیں:

> اینگلز کا خیال ہے کہ بالزاک کا فن بامقصد بنیادوں پر استوار تھا۔ اس لیے اس کی تعبیرات میں صالح عناصر کی فراوانی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اسکلس ایسے باوائے المیہ اور ارسٹوفینز ایسے باوائے طربیہ کو یقینی طور پر ایک خاص مقصد کے تابع بناتا ہے۔ اسی طرح سر دانتے اور دانتے بھی مبنی بر مقصد تھے۔ (۴)

کارل مارکس کسی صورت بھی اپنی سوچ، فکر اور افکار کو فلسفہ نہیں کہتا تھا جب کہ ابتدائی تصورات کی بنیاد پر انھیں فلسفی جانا جاتا ہے۔ انھوں نے دنیا کے پیچیدہ مسائل کو حل کرنے کی سعی کی۔ مارکس سے پہلے کی فلسفیانہ روایت اس کی نظر میں اب تک دنیا کے بڑے مسائل حل کرنے میں ناکام دکھائی دیتی ہے۔ اسی بنیاد پر مارکس اپنی فکر میں یہ سارا الزام کسی صورت قبول نہیں کرتا۔ وہ اس بات کا بھی قائل ہے کہ جب انسان اپنے بڑے مسائل حل کرلے گا تو پھر فلسفہ کی ضرورت ہی نہ ہوگی۔ مگر مارکس کے خیالات فلسفہ کی ہر تعریف پر پورے اترتے ہیں۔ ادب کو مارکسی تنقید کے حوالے سے دیکھا جائے تو اس میں تین بڑے اور اہم موڑ دکھائی دیتے ہیں۔ پہلا موڑ کارل مارکس اور اینگلز کے وہ خیالات ہیں جن میں سیاسی اور معاشی فلسفے کی بنیاد پر اس کے خدوخال تشکیل پائے، اسے کلاسیکی یا آرتھوڈاکس یا مارکسی تنقید کا نام دیا جاتا ہے۔ اس میں مارکس کی دی گئی فکر کو صداقت گردانا گیا۔

دوسرا اہم موڑ تب آیا جب انتہا پسندی کے ردِ عمل میں اس کی ایک لکیر کو توڑا گیا اور مارکسزم کو سماج اور تاریخ کی حتمی تعبیر کی بجائے فکری اور دانش ورانہ انسپریشن کا ایک واسطہ خیال کیا گیا۔ ادب اور سماجی فلسفے کی جداگانہ حیثیت کو ختم کر کے دونوں میں جوڑ بیٹھانے کی شعوری کوشش کی گئی، جب کہ مارکس اور اینگلز کے ادب میں موجود داخلی تصورات سے انحراف کیا گیا۔ شمیم حنفی جدیدیت کی فلسفیانہ اساس میں لکھتے ہیں:

> مارکس نے کبھی ان نظریات کو شعر و ادب پر مسلط نہیں ہونے دیا۔ وہ ادب کو فی نفسہٖ ایک مقصد سمجھتا تھا، تمام بیرونی مقاصد سے بے نیاز، ادب کے منصب پر اظہار خیال کرتے ہوئے اس نے کہا تھا کہ ادیب ایسے کارناموں کو کسی بھی طرح وسیلہ نہیں سمجھتا۔ انہیں خود مکتفی مانتا ہے اور مذہبی مبلغین کی مانند ایک اصول پر یقین رکھتا ہے۔[۵]

1917ء میں روسی انقلاب کے بعد مارکس کے نظریات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے پرولتاری نظام کی ابتدا ہوئی اور لینن (Lenin) اس انقلاب کا بانی تھا۔ تاہم اس نے مارکس کے مثالی آدرش کو انسانی زندگی کا مقصود قرار دینے، شخصی آزادی، پیداواری منافع کی مساوی تقسیم اور نچلے طبقے کی اقتصادی ترقی کو اہمیت دینے کی پاس داری میں اپنی زندگی صرف کر دی۔ اس کو زار حکومت میں تمام آسائش اور آرام اپنی مرضی کے مطابق مل جاتا مگر اس نے تمام مادی آسائشوں کو ٹھوکر مار دی۔ سوشل ازم یا کمیونزم انھی حالات کی فطری پیداوار ہے لیکن کمیونزم نے مادی تصادم یا تاریخی مادیت کے علاوہ ذاتی ملکیت کو کاملاً ختم کر دینے اور دنیا میں صرف مزدوروں اور محنت کشوں کی ڈکٹیٹری قائم کرنے کا فلسفہ دیا ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر تنقیدی دبستان میں لینن کا ایک قول نقل کرتے ہیں:

> زندگی دماغ پیدا کرتی ہے، فطرت انسانی دماغ میں عکس پذیر ہوتی ہے۔ تکنیکی مہارت اور مشق سے دماغ میں ان کی جانچ اور درستی سے خارجی صداقت حاصل ہوتی ہے۔[۶]

مارکسزم کی جو صورت بیسویں صدی کے ادب میں نظر آتی ہے وہ کسی طرح بھی مارکس اور اینگلز کے ان تصورات سے ہم آہنگ نہیں جو انھوں نے ادب کے سلسلے میں پیش کیے۔ تاہم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان تصورات میں جو تبدیلیاں پیدا ہوئیں ان کے ادب پر دور رس نتائج مرتب ہوئے۔ مارکسی تخلیق کاروں اور ناقدین ادب پر بالعموم ایک اعتراض روا رکھا جاتا ہے کہ یہ مواد کی دھن میں تخلیق کے فنی محاسن غارت کر دیتے ہیں۔

جہاں تک مارکس اور ماؤزے تنگ کے ادب کا تعلق ہے، تو انھوں نے کبھی بھی فن پاروں میں بدصورتی یا بدہیئتی کا پرچار نہیں ہونے دیا۔ مگر نئے آنے والے ادیب پرانے ادیبوں کی نگارشات اور ان کے تصورات پر رجعت پسندی کا لیبل چسپاں کر دیتے ہیں۔ یوں اپنی دانست میں سب کو مسترد کر دینے کے بعد اپنا علم بلند کرتے ہیں۔ یہ سب عوام دوستی، ترقی پسندی اور انقلاب کے نام پر کیا جاتا ہے۔ ٹیری ایگلٹن مارکسیت اور ادبی تنقید میں ان خیالات کا اظہار اس انداز میں کرتے ہیں:

> یہ حملہ نظریہ اور سماجی آزادی کے نام پر کیا گیا۔ اس بارے میں مختصر تبصرہ ہی کافی سمجھا جانا چاہیے۔ 1917ء کے انقلاب کے بعد 1928ء تک بالشیوک پارٹی کا اثر فن و ثقافت پر کم ہونے لگا تھا۔ 1928ء میں جب پہلا پنج سالہ منصوبہ شروع ہوا، تب کئی آزاد ثقافتی تنظیموں کا بھی جنم ہوا اور ان کے ساتھ ہی کئی آزاد پبلیشنگ ہاؤسز بھی کھلیں۔ ثقافتی تبدیلیوں سے بھرے اس دور کے زیادہ کھلے ماحول میں مختلف ادبی و فنی تحریکات (مستقبل پسندی، ہیئت پسندی، علامت پسندی) اور اس وقت کے نئے معاشی رویوں میں مضمر ہے۔[۷]

اگر دیکھا جائے تو ہر فلسفی کو یوں لگتا ہے کہ وہ کسی ایسی شے کا متلاشی ہے جسے "سچائی" کہا جاتا ہے، مگر ہر فلاسفر اس حاصل شدہ سچائی کی تعریف الگ نوعیت سے کرتا ہے۔ بہر حال دیکھا جائے تو یہ ایک معروضی شے ہے جو کسی بھی مفہوم کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ دوسرے فلاسفر کی طرح کارل مارکس بھی اپنے نظریات کی سچائی پر یقین رکھتا ہے وہ انھیں ادنیٰ نہیں سمجھتا بلکہ وہ ایسے جذبات کا اظہار ہیں جو انیسویں صدی کے وسط میں ایک متوسط طبقے کے جرمن باغی یہودی کے باطن کی عکاسی کرتے ہیں۔ کارل مارکس کے تصورات کو دیکھا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسانی تاریخ میں کسی عہد کی سیاست، مذہب، فلسفہ اور فن اس عہد کے پیداواری طریقے اور کسی قدر کم تقسیم کے طریقے کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

کارل مارکس نے اپنے فلسفے کو ہیگل کی جدلیات میں ڈھالا تھا مگر اس کو صرف اور صرف جاگیردار، زمیندار اور سرمایہ دار کی تثلیث ہی دیکھائی دی اور ان کی نمائندگی کا سہرا ایک مزدور کے سر پر تھا۔ ہیگل نے قوموں کو جدلیاتی نمائندہ خیال کیا جبکہ مارکس نے ان کی جگہ طبقات کو اہمیت دی۔ مارکسی فلسفہ میں جدلیات کو ان شاذ و نادر صورتوں میں بھی، جب اسے مادی نظریوں میں فروغ ہوا، فطرت سماج اور ادراک کے آفاقی قوانین

کا نظریہ نہیں مانا جاتا تھا۔اس کے برعکس جہاں جدلیات کو عینیت پرستوں نے فروغ دیا، قدرتی طور پر یہی سمجھا گیا کہ یہ روحانی عمل کے منطق علم کا نظریہ ہے۔مارکس اور اینگل نے ہی پہلے پہل جدلیاتی عمل کی آفاقیت، روحانیت ،مادیت، سماج اور فطرت کے جدلیاتی اتحاد کا کھوج لگایا اور اس کا نظریاتی ثبوت پیش کیا۔مارکس اور اینگل کے نقطہ نظر سے جدلیات خود روی، خود نموئی اضداد کے اتحاد اور جد و جہد کا عمل ہے جو مادے اور فطرت میں مضمر ہے۔جدلیات بذات خود ایک نظریہ کی حیثیت سے معروضی جدلیاتی عمل کا دنیا میں جاری ہے ایک سائنٹیفک عکس ہے بلکہ اینگل کہتا ہے کہ جدلیات ایک ایسا عمل ہے جو فطرت میں اضداد کے ذریعے حرکت میں ہے۔

تاریخ فلسفہ ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ تمام فلسفیانہ نظریات،اختلافات کے باوجود روحانی، مادی، نفسیاتی اور جسمانی معروضی اور موضوعی کے باہمی تعلق کو مادی یا عینی حل پر نظریاتی اعتبار حاصل ہے۔یہ مسئلہ ہر فلسفہ کا بنیادی مسئلہ ہے۔کارل مارکس سے قبل مادیت پسندوں نے انسانی جسم کے ساتھ اور خارجی عالم کے ساتھ انسانی شعور کے تعلق کا مسلسل مطالعہ کر کے نمایاں تاریخی خدمات سرانجام دیں۔مادیت پسندوں نے علوم طبعی کی آئندہ دریافتوں کی پیش بینی کر کے یہ ظاہر کر دیا کہ خیال و شعور بالعموم روحانی یا مافوق الفطری و مافوق الانسانی جوہر نہیں بلکہ ایک منظم مادے کا ایک خاص وصف ہے جو دوسری طرف انسان کے ارد گرد کی خارجی اور مادی حقیقت کا عکس ہے۔

مارکس اور اینگل نے جدلیاتی اور مادی نقطہ نظر سے یہ ثابت کیا کہ مادہ مقدم اور روحانی ہے۔انھوں نے اولین جوہر کے متعلق تمام طبعی فلسفے کا دیوالیہ پن ظاہر کر دیا۔کارل مارکس نے خاص طور پر طبقاتی سوچ کو بدلنے کی جانب توجہ دی اور اس ضمن میں جو تصورات دیے ان کو کلاس تھیوری کہا جاتا ہے اور یہ بحثیں ان کی معروف کتاب ''داس کیپیٹل'' میں دکھائی دیتی ہیں۔مارکس تاریخ کو موضوع بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ تاریخ زندہ لوگوں کی ہوتی ہے اور اسی کی بنیاد پر انسانی رشتے تشکیل پاتے ہیں جو بنیادی ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے بنائے جاتے ہیں۔ان ضروریات کو مارکس دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے ایک سرمایہ دار اور دوسرا مزدور طبقہ۔سرمایہ درانہ سماج مارکسزم کو صرف اور صرف ایک ذہنی فتور کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھتا۔مارکس کی کوشش یہ رہی کہ یہ فرق ختم ہونا چاہیے تب جا کر دنیا میں امن و آشتی پروان چڑھ سکتی ہے۔

مارکسزم ایک غیر تبدیل شدہ اور کٹر نظام نہیں بلکہ یہ تصورات ساری زندگی تبدیلی کے عمل سے

گزرتے رہے اور حقیقت میں مارکسزم کے اصولوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہم چیزوں کو اور ایک دوسرے کو کس طرح دیکھتے ہیں۔مارکس یہ بھی کہتے ہیں کہ کچھ بھی ہمیشہ کے لیے قائم اور مستقل نہیں ہوتا اور کوئی بھی چیز مطلق اور مقدس نہیں ہوتی۔مارکسزم کو ہم مستقبل کا روڈ میپ بھی نہیں کہہ سکتے اور نہ اس کی بنیاد پر ہم اپنے موجودہ معاشرے کی تنظیم نو کر سکتے ہیں۔مارکسزم نہ تو حکومت کی کوئی شکل ہے اور نہ ہی یہ ہماری زندگی کے ہر پہلو پر حکومت کرنے والی ریاست پر یقین رکھتا ہے۔

انقلاب روس سے تعلق رکھنے والی انقلابی تحریک،مارکسزم جس نے ایک وسیع دنیا کو متاثر کیا اور جو کارل مارکس اور اینگلز کے تصورات پر مبنی ہے،اسے لینن اور ماؤزے تنگ نے عملی جامہ پہنایا۔اس تحریک اور فکر سے وابستہ ادیب اور مفکر آہستہ آہستہ ادب میں موجود جمالیاتی تفاعل کی تلاش میں لگ گئے،جن کا نظریہ تھا کہ زبان اور ادب ایک آئیڈیالوجی کے تحت کام کرتے ہیں۔دراصل یہ لوگ ان لسانی ساختوں کی جانب مائل ہو گئے جو ادب میں تفاعل پیدا کرتی ہیں۔انقلاب روس سے پہلے اور بعد میں ''مارکسزم'' کے ساتھ ہی دوسری ادبی تحریکوں کی بازگشت سنائی دیتی ہے،جن میں قابل ذکر ہیئت پسندی ہے۔جس کو بعد میں ''روسی ہیئت پسند تحریک'' کا نام دیا جاتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ابو الاعجاز حفیظ صدیقی،کشاف تنقیدی اصطلاحات(اسلام آباد:ادارہ فروغ قومی زبان،۲۰۱۸ء)،۲۲۱

۲۔ سبط حسن،موسیٰ سے مارکس تک(کراچی:مکتبہ دانیال،۲۰۱۸ء)،۲۲۲

۳۔ ٹیرل کارور،(Terrell Carver)،دی کیمبرج کمپینین ٹو مارکس(کیمبرج: یونیورسٹی پریس،۱۹۹۹ء)،۱۹۷

۴۔ عتیق عبداللہ،تنقید کی جمالیات۔مغربی شعریات: مراحل و مدارج،جلد دوم (لاہور:فکشن ہاؤس،۲۰۱۸ء)،۳۷۸

۵۔ شمیم حنفی،جدیدیت کی فلسفیانہ اساس(نئی دہلی:مکتبہ جامعہ،۱۹۷۷ء)،۳۵۰

۶۔ سلیم اختر،تنقیدی دبستان(لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۹ء)،۱۷۴

۷۔ ٹیری ایگلن،مارکسیت اور ادبی تنقید،(مترجم)ڈاکٹر رغبت شمیم ملک(لاہور:کتاب محل ،۲۰۱۷ء)،۴۸

- **Abu al-Ijaz Hafeez Siddiqui**, *Kashaf-e-Tanqeedi Istilahaat* (Islamabad: Idara Farogh-e-Qaumī Zuban, 2018), p. 221.
- **Sibt-e-Hasan**, *Musa se Marx Tak* (Karachi: Maktabah Daniyal, 2018), p. 222.
- **Terrell Carver**, *The Cambridge Companion to Marx* (Cambridge: University Press, 1999), p. 197.
- **Atiq Abdullah**, *Tanqeed ki Jamaliyat: Maghribi Shi'riyat: Marahil o Madarij*, Volume 2 (Lahore: Fiction House, 2018), p. 378.
- **Shamim Hanfi**, *Jadidiyat ki Falsafiyana Asas* (New Delhi: Maktabah Jamia, 1977), p. 350.
- **Saleem Akhtar**, *Tanqeedi Dabistan* (Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2009), p. 174.
- **Terry Eagleton**, *Marxism and Literary Criticism*, translated by Dr. Raghbat Shamim Malik (Lahore: Kitab Mahal, 2017), p. 48.

کتابیات

- ابو الاعجاز حفیظ صدیقی،کشاف تنقیدی اصطلاحات(اسلام آباد:ادارہ فروغ قومی زبان،۲۰۱۸ء)
- ٹیرل کارور،(Terrell Carver)،دی کیمبرج کمپینین ٹو مارکس(کیمبرج: یونیورسٹی پریس،۱۹۹۹ء)
- ٹیری ایگلن ،مارکسیت اور ادبی تنقید،(مترجم)ڈاکٹر رغبت شمیم ملک(لاہور:کتاب محل ،۲۰۱۷ء)

- سبط حسن،موسیٰ سے مارکس تک(کراچی: مکتبہ دانیال،۲۰۱۸ء)
- سلیم اختر،تنقیدی دبستان(لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۹ء)
- شمیم حنفی،جدیدیت کی فلسفیانہ اساس(نئی دہلی: مکتبہ جامعہ،۱۹۷۷ء)
- عتیق عبداللہ،تنقید کی جمالیات۔مغربی شعریات: مراحل و مدارج،جلد دوم (لاہور: فکشن ہاؤس،۲۰۱۸ء)